طنز ومزاح کی روایت اورڈاکٹر سلیم اختر کا کلام نرم و نازک

ناہید ناز

Abstract:

Dr. Saleem Akhtar's creative life has three main dimensions i.e. criticism, Psychology and fiction.In fifty years of his creative life, he has written more than ninety books. These are about multicolor aspects of art and literature, fictions, criticism, human psychology and history of language and literature. In all these creativity the specialty of his style is a delight touch of wit, humor and satire. He has written a book consist of stairacal essays named: Kalam-e-Narm-o-Nazuk with a vivid approach.This article is an attempt to see different angles of Satire in the above named book.

اردو نثر میں طنز ومزاح کی روایت کے ابتدائی نشان اودھ پنچ کے اودھ اخبار کے ہاں باضابطہ طور پر دکھائی دیتے ہیں اگر چہ اس سے قبل پھکڑ اور پھبتی کی روایت جعفر زٹلی، جرات، سید انشا اللہ خان انشاء سے ہوتے ہوئے محمد رفیع سودا تک آتی ہے۔ غالب تک آتے آتے طنز ومزاح میں شائستگی اور ذوق سلیم پیدا ہو گیا۔ جسے بعد میں اکبر الہ آبادی، رتن ناتھ سرشار، اور دیگر طنز نگاروں نے پروان چڑھایا۔ سجاد حیدر یلدرم، فرحت اللہ بیگ، عظیم بیگ چغتائی، رشید احمد صدیقی، پطرس بخاری، حاجی لق لق، شوکت تھانوی اور چراغ حسن حسرت جیسے طنز ومزاح نگاروں نے اردو ادب کا دامن طنز وظرافت کی شگفتہ بیانیوں سے بھر دیا، طنز وظرافت کی یہ قدریں افادی بھی ہیں اور جمالیاتی بھی۔

اس سے قبل کہ ڈاکٹر سلیم اختر کی تصنیف کلام نرم ونازک میں طنز ومزاح کے پہلو تلاش کیے جائیں، یہ دیکھنا لازمی ہے کہ طنز ومزاح، بذلہ سنجی، ظرافت کا مفہوم کیا ہے؟ اس ضمن میں سید عابد علی عابد اپنی تصنیف اسلوب میں انہیں اسلوب کی صفات جذباتی قرار دیتے ہوئے چیمبر کی لغت، بیسویں صدی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ایک ملکہ ذہنی جو عجیب اور خندہ آور چیزوں کا شعور کرتا ہے، ان سے مسرت حاصل کرتا ہے اور ہمدردانہ ان پر ہنسنے کی صلاحیت رکھتا ہے جب کہ Satire یا طنز کے متعلق وائلڈ کہتا ہے کہ کوئی ایسا فن پارہ جس میں انسانی کمزوریوں اور بے ہودگیوں کو آئینہ دکھایا جائے، ریاکاری کی مذمت کی جائے اور ایسے معاشرے کی سخت اہانت کی جائے جس میں برائیاں اور ریاکاریاں راہ پا گئی ہیں ۔ جہاں تک بذلہ سنجی کا تعلق ہے انگریزی میں اسے wit کہتے ہیں ایسی صورت حال جہاں بظاہر مشابہت موجود نہیں ہوتی وہاں متخالف اور متضاد چیزوں سے ایک وجہ شبہ پیدا کی جاتی ہے اور یا جہاں یک رنگ مشابہت ہوتی ہے وہاں مصنف اپنے ذوق اور بذلہ سنجی سے کام لے کر عدم مشابہت کے عنصر دریافت کرتا ہے ۔(۱)

طنز ومزاح کیا ہے؟ اس کی جامع و مانع تعریف نہیں کی جا سکتی ۔طنز، مزاح، ہزل، تمسخر، ضلع جگت، پھبتی، ہجو، فقرے بازی وغیرہ کے الفاظ طنز ومزاح کے لیے مستعمل ہیں ۔بنیادی طور پر مزاح برائے فرحت اور شگفتگی طبع جبکہ طنز برائے اصلاح ہوتا ہے ۔

بقول ڈاکٹر طاہر تونسوی:

> بذلہ سنجی، شوخی، طنز، تضحیک، ظرافت وغیرہ مزاح کے مختلف رنگ ہیں اور اس کی مختلف شکلیں اور صورتیں ہیں ۔مزاح کا بنیادی مقصد شگفتگی پیدا کرنا ہے ۔اس میں مزاحیہ اور طنزیہ انداز میں زندگی کی تلخ حقیقتوں کو بے نقاب کیا جاتا ہے ۔مزاح نگار کے سامنے اصلاح کا جذبہ نہیں ہوتا وہ تو اپنے قاری کو صرف ہنساتا ہے ۔طنز نگار کے ہاں اصلاح کا مقصد پایا جاتا ہے وہ ہنسی کے ساتھ ساتھ اپنے انداز سے قاری پر ایسی ضرب لگاتا ہے جو اسے سوچنے پر مجبور
> کرے کہ وہ اپنی حالت کو درست کرے ۔اس حوالے سے طنز نگار یا مزاح نگار بے معنی ہنسی نہیں ہنستا بلکہ عرفان ذات یا معاشرتی شعور کے پس منظر میں معاشرتی اور سماجی مسائل کو نشانہ بناتا ہے(۲.)

ڈاکٹر وحید قریشی مضمون ''اردو میں مزاح نگاری'' میں اردو ادب میں طنز ومزاح کے سیاسی و سماجی پس منظر کے حوالے سے لکھتے ہیں :

> ''جب دور اورنگ زیب میں بعض علماء کی مجلسی سرگرمیاں بڑھ گئیں اور خارجی زندگی میں مذہب اور اخلاق کی گرفت زیادہ ہوتی چلی گئی تو اس کے عمل میں مادی اور غیر مذہبی عوامل نے شعرا اور ادباء کی داخلی زندگی کو متاثر کرنا شروع کر دیا نتیجہ یہ تھا کہ زندگی کا تفریحی اور عیاشانہ پہلو نمایاں ہونے لگا ۔عیش وعشرت کی وہ خرابیاں جو پہلے صرف امراء کے طبقے تک تھیں اب عوام کی زندگیوں تک بھی در آئیں ۔سلطنت توسیع کے بعد اب سلطنت کے سمٹنے کا سماجی عمل شروع ہو گیا ۔مغل شہزادوں کی باہمی آویزشیں، مرہٹوں، سکھوں اور راجپوتوں کی وحشیانہ سرگرمیاں ،

معاشرے میں بے عملی، انفعالی رجحانات اور داخلی زندگی سے خوف زدہ کرنے کا سبب ہوگئیں۔ شعراء اور ادبا نے بھی ان میں جھانک کر خوف زدہ ہونے کی بجائے ترک دنیا، تصوف، اور درس اخلاق میں پناہ لی یا پھر زندگی کے خارجی پہلوؤں کی تصویر کشی کو اپنایا۔اس دور کے مزاح نگار زیادہ تر زندگی کے تفریحی پہلو سے لگاؤ رکھتے ہیں۔ وہ منطقی مغالطوں سے مزاح پیدا کرتے ہیں زبان کے بے ڈھنگے پن سے خوش طبعی کا کام لیتے ہیں۔(۳)

ڈاکٹر وحید قریشی، درج بالا مضمون میں قیام پاکستان اور اس کے فوراً بعد کے مسائل کو طنز و مزاح کے حوالے سے بے حد اہم قرار دیتے ہیں۔ جب ملک دولخت ہوا۔ وسیع پیمانے پر کشت وخون کا بازار بھی گرم ہوا، آبادی کا وسیع پیمانے پر انتقال بھی ہوا، مختلف عوامل نے زندگی کے بنے بنائے سانچے توڑ کر نئی تشکیلات کا آغاز کیا، سرمائے کی بے قدری، نیا نودولتیہ طبقے کا وجود میں آنا، مادیت پسندی، حصول زر کی دوڑ، اخلاقی اقدار کی بے حرمتی، اعتقادات اور عمل میں عدم توازن نے معاشرتی زندگی کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ان حالات میں تہذیب وثقافت، رسم ورواج کا ربط وتعامل متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

اندرونی تضاد، بیرونی انتشار اور نفسانفسی کی بنا پر گوناگوں مسائل طنز و مزاح کا عنوان بنے جن میں روٹی روزی اور لباس سے لے کر سماجی رویے اور نفسیاتی عدم توازن جیسے عوامل شامل ہیں جو اس عہد جدید کے پر آشوب اور ہیجان انگیز صورت حال میں طنز و مزاح کے پہلو دار موضوع بن رہے ہیں۔

طنز و مزاح کا تعلق براہ راست فرد اور معاشرے کے باہمی ربط وتعامل پر ہوتا ہے۔ جب تک فرد کا انفرادی اور سماجی شعور اس حد تک بالغ نہ ہو جائے کہ وہ نہ صرف معاشرے کے مضحک پہلوؤں پر ہنس سکے بلکہ خود اپنے باطن میں جھانک کر اپنی ناراستیوں کا مضحک خاکہ دوسروں کے سامنے پیش کر سکے۔ گویا اپنی ذات کا فہم اور اپنے اندر کی خامیوں، کمیوں، ناراستیوں کو پورے اعتماد سے دوسروں کے سامنے پیش کرنے کا فن طنز و مزاح کا بنیادی کلیہ ہے۔ جو خود پر نہیں ہنس سکتا اسے دوسروں پر ہنسنے کا کوئی حق نہیں۔سماج، افراد کے باہم ربط وتعامل سے ہی معرض وجود میں آتا ہے۔ جو بحیثیت مجموعی سماجی ناہمواریوں اور ناراستیوں کا گڑھ بنتا ہے تو اس کے تلخ اور چبھنے والے عناصر، زود رنج اور حساس افراد کو عام لوگوں کی نسبت زیادہ شدت سے محسوس ہوتے ہیں۔ جس کا تخلیقی اظہار ادب میں طنز و مزاح کے ذریعے کیا جاتا ہے۔

فرد کی طرح معاشرے کی مخصوص اجتماعی نفسیات ہوتی ہے جس کے تحت اس قوم کے مخصوص رجحانات ومیلانات، عصری رویے اور نفی محرکات تشکیل پاتے ہیں۔ادب چونکہ معاشرے کا عکس بھی ہے اور نقاد بھی، لہٰذا قوم کی اجتماعی نفسیات سے ماورا کیوں کر ہو سکتا ہے؟ ہمارے معاشرے میں مزاح کی نسبت طنز کا فروغ انہیں رجحانات ومیلانات کا عکس ہے۔

لطف الرحمٰن "طنزیہ ادب اور سماجی شعور" میں فرد کے تخلیقی رجحان کے طنزیہ اور مزاحیہ جہت کے در پردہ عوامل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جس فرد کے یہاں مثبت رجحان منفی اور تخریبی رجحان پر حاوی ہو جاتا ہے اور پورے طور پر قابو پالیتا ہے وہ سنجیدہ ادب کی تخلیق کرتا ہے اور جس شخصیت میں مثبت رجحان غالب تو ہوتا ہے لیکن منفی رجحان کی سرکشی بھی برقرار رہتی ہے وہ طنزیہ ادب کی تخلیق کرتا ہے جس کے پس پردہ اصلاح معاشرہ کا سنجیدہ پہلو محرک کی حیثیت رکھتا ہے جو فرد کے جبلی تعمیر رویہ کا غماز ہے فرد چونکہ جبلی طور پر لذت اندوزی اور حصول نشاط کا جویا ہوتا ہے اس لیے تخلیق ادب کے اس مرحلے پر مزاحیہ عناصر کو طنزیہ عناصر پر فوقیت حاصل ہوتی ہے ۔ چنانچہ جب طنز پر مزاح مکمل طور پر غالب آجاتا ہے تو اس کو مزاح نگاری سے تعبیر کرتے ہیں ۔(۴)

ڈاکٹر سلیم اختر (پ۱۹۲۴ء) ہمہ جہت تخلیقی شخصیت کے مالک ہیں ۔نفسیات تنقید، سفرنامہ، تاریخ زبان و ادب، آپ بیتی جیسے ادبی میدانوں کے کامیاب شاہسوار ہیں جن پر درجنوں مضامین اور مقالات قلم بند کیے جا چکے ہیں لیکن ان تخلیقات کے اندروں اسلوب کی شگفتگی اور طنز و مزاح کی تلخ و شیریں لہریں ہنوز قارئین و ناقدین کی نگاہوں سے اوجھل ہیں۔

نفسیات ہو یا تنقید، تاریخ ادب ہو یا آپ بیتی' سفرنامہ ہو یا ادبی جائزہ، ڈاکٹر سلیم اختر کی شخصیت کا چلبلا پن اور شوخی تحریر، سطور میں زندگی کی رمق ڈال دیتی ہے ۔حتی کہ تنقیدی اسلوب کی خشکی میں طنز و مزاح کی بنا پر فرحت اور شگفتگی کی لہر دوڑ جاتی ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ہلکی پھلکی طنز اور مزاح ان کے مزاج کا حصہ ہے ۔عام گفتگو میں بھی ان کی شخصیت کی یہ جہت خود بخود نمایاں ہو جاتی ہے۔

ایک انٹرویو میں ایک سوال پر'' آپ کو اتنا کام کرنے کے باوجود اب تک پرائیڈ آف پرفارمنس کیوں نہیں ملا؟'' بے ساختہ بولے'' مسئلہ یہ ہے کہ میں مشرف بہ اسلام آباد نہیں ہوں ۔''(۵) وہ زندگی کے مضحک پہلوؤں اس کی کجی اور ناراستی کو طنزیہ انداز میں نمایاں کرتے ہیں اور ماہر نفسیات کی طرح اصلاح کی غایت پیش نظر رکھتے ہوئے ،اس کا نتیجہ قاری پر چھوڑ دیتے ہیں،جس سے بات کی تاثیر اور افادیت دوچند ہو جاتی ہے۔

طنز ومزاح سے ڈاکٹر سلیم اختر کی دل چسپی کا سراغ ان کے زمانہ طالب علمی کی تحریروں سے بھی لگایا جاسکتا ہے ۔ جب وہ تھرڈ ائیر کے طالب علم تھے روزنامہ تعمیر میں'' بحث'' کے عنوان سے ان کا طنزیہ مضمون چھپا تھا جس کا آغاز یوں کرتے ہیں'' آپ چاہیں تو مجھ سے بحث کرلیں کہ بحث کرنا ایک فضول کام ہے اور اس بحث کے معاملہ میں میں اتنا کہہ چکا ہوں کہ اس پر کسی بحث کی گنجائش نہیں سمجھتا ۔''(۶)

یوں تو ڈاکٹر سلیم اختر کا اسلوب نگارش ہی کاٹ دار اور طنزیہ رجحانات کا حامل ہے لیکن ان کا باقاعدہ طنزیہ مضامین کا مجموعہ **کلام نرم و نازک** کے نام سے ۱۹۷۶ء میں چھپا جب کہ دوسرا مجموعہ طنزانیہ کے نام سے مرتب کیا تھا لیکن بوجوہ شائع نہ ہو سکا لہٰذا ڈاکٹر سلیم اختر نے دونوں مجموعوں میں شامل مضامین کو یک جا کر کے کلام نرم و نازک کے عنوان سے سنگ میل پبلی کیشنز لاہور کے زیر اہتمام ۲۰۰۴ء میں شائع کرایا۔

پہلے مجموعے کا دیباچہ سید ضمیر جعفری نے جبکہ طنزانیہ کا دیباچہ فکر تونسوی نے لکھا تھا۔ **کلام نرم و نازک**

۲۰۰۴ء میں یہ دونوں دیباچے موجود ہیں۔فکر تونسوی دیباچہ بعنوان ''پہلے مجھے پڑھیے'' میں رقم طراز ہیں:

"۔۔۔۔میں تو زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ ڈاکٹر سلیم اختر شریف النفس انسان ہیں میری ان سے ملاقات ہوئی تو مجھے بڑا صدمہ ہوا کہ عالم فاضل ہونے کے باوجود شریف النفس کیوں ہیں؟ انہیں یہ کرب کیوں ستاتا رہتا ہے کہ جدید صنعتی دوران اعلیٰ اور بہتر قدروں سے کیوں الگ جی رہا ہے۔ان کی اپنی سوچ جدید علم و فضل کے باوجود ان اعلیٰ اور بہتر قدروں میں جی رہے ہیں۔قدروں کا یہ قتل عام دیکھ کر وہ قلم اٹھا لیتے ہیں اور قلم کے باطن سے وہ وہ تیکھے زاویے نکال لیتے ہیں جنہیں آج کا کوئی شریف النفس نہیں نکالتا۔(۷)

سید ضمیر جعفری دیباچہ بعنوان ''پیش دستی'' میں مزاح کی پہلو داریوں اور ڈاکٹر سلیم اختر کے ہاں طنز و مزاح کے رنگ و آہنگ کی دلکش تصویر کشی یوں کرتے ہیں:

مزاح کے مختلف روپ اور سائے ہیں۔یہ کسی فن کار کے ہونٹوں پر بھی ہوسکتا ہے اور اس کے سینے میں بھی۔مزاح کھلا زخم بھی ہے اور رکا ہوا آنسو بھی۔مجھے کسی کی یہ بات بھی دل سے پسند ہے کہ مزاح سگریٹ میں نہیں، سگار میں ہوتا ہے، شراب میں نہیں، مضراب کی عمارت میں ہوتا ہے۔مجھے معلوم نہیں کہ پروفیسر سلیم اختر خود اس وقت عمر کی کتنی بہاریں دیکھ چکے ہیں، مگر کسی پنڈت نے یہ بھی کہہ رکھا ہے کہ مزاح جوان اور ادھیڑ عمر کے لوگوں میں نہیں ہوتا، بچوں اور بوڑھوں میں ہوتا ہے ۔۔۔ پاگلوں میں ہوتا ہے۔طنز۔۔۔مزاح ہی کے قبیلے کی ایک منہ زور شاخ ہے۔اس کو ظرافت کا ''بازوئے شمشیر زن'' بھی کہہ سکتے ہیں۔سلیم اختر طنز کو ایک نہایت موثر حربے اور ہتھیار۔۔۔۔۔کسی دور مار توپ یا اینٹی ائر کرافٹ گن Anti Air Craft Gun پر سامنے سے حملہ آور ہوتے ہیں یہاں دست بدست لڑائی کا گھمسان ناگزیر ہو جائے ۔۔۔۔۔پروفیسر سلیم اختر اندھیرے میں لاٹھی گھمانے کے قائل نہیں۔انہوں نے اپنے قلم کے ذریعے آج کی اجتماعی زندگی کی منافقت، بے راہ روی، کھوکھلے پن اور مال و زر کے منفی رویوں کے خلاف کھلم کھلا جہاد شروع کر رکھا ہے۔ان کا اسلوب نگارش سیدھا مگر شیریں ہے۔جس میں اس قسم کی ''صحرائیں'' اور ''غلام گردشیں'' نظر نہیں آتیں جن میں قاری چکرا کر بھول جائے کہ سقراط کی بات کہاں ختم ہوئی اور شرار افلاطون کب ٹوٹا۔۔۔ان کی نثر کا منہ چکنا ہو یا نہ ہو، پیٹ بھرا ہوتا ہے، سادگی میں پرکاری اسی کو کہتے ہیں۔۔۔اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ پروفیسر سلیم اختر نے ''کام کی باتیں'' ایک داستان گو کے انداز میں بیان کی ہیں۔اتنے گھمبیر موضوعات پر طنزیہ انداز میں گفتگو کے دوران نرماہٹوں اور ملاحتوں کے جیسے جیسے نخلستان انہوں نے آراستہ کیے ہیں وہ ان کی قدرت فن کی روشن دلیل ہیں۔(۸)

کلام نرم و نازک میں شامل سینتیس (۳۷) مضامین ڈاکٹر سلیم اختر کی سوشل کمٹمنٹ کا مظہر ہیں جو ہماری

روزمرہ زندگی کی خرابیوں ، خامیوں ، کمیوں کوتاہوں ، کجیوں ،لغزشوں ، الجھنوں اور پریشانیوں کا آئینہ ہیں ۔یہ مضامین ہمیں سوچنے پر مجبور کرتے ہیں ۔اصلاح طلبی کا راستہ دکھاتے ہیں اور شعور کی آنکھ مہیا کرتے ہیں ۔ان مضامین میں زندگی کی مختلف النوع جہات جیسے سماجی ،تہذیبی ، معاشرتی ، معاشی ،تعلیمی اور ازدواجی پہلوؤں کا پرتو نظر آتا ہے ۔

ذرا ان مضامین کے عنوانات ملاحظہ کریں ۔''زندگی برباد کرنے کا نسخہ، خاوند کو خوار کرو، بیوی کو بیزار کرو، شوہر واور بیویو متحد ہو کر گھرا جاڑو ، بچے بگاڑو ، بنو مجرم پھلو پھولو، منافقت بہترین خوبی ہے، اصلی تے وڈی ہیر، الیکشن گائیڈ ، جدید نصاب تعلیم ، بے اولادی کے فوائد، دفتر نامہ ، مجھ سے میرے دوستوں کو بچاؤ، نفسی آتی مشورے ،گھر داماد ، وغیرہ جیسے عنوانات ہی میں طنز ومزاح انگڑائیاں لے رہا ہوتا ہے ۔ان مضامین میں طنز کی تلخی بھی ہے اور مزاح کی شگفتگی بھی ۔نشریت بھی ہے اور کاٹ چھیے کا احساس بھی ۔افراد معاشرہ کی اندرونی عصبانیت کا اظہار بھی ہے اور منافقانہ رویوں کا آئینہ بھی ۔کتاب میں شامل پہلے مضمون'' زندگی برباد کرنے کا نسخہ'' میں سے یہ اقتباس ملاحظہ کیجیے:

> زندگی برباد کرنے کے لیے بنیادی شرط یہ ہے کہ آپ خود کو ہر سطح کے بلند مقاصد سے آزاد رکھنے کی کوشش کریں ۔وہ لوگ اور ان لوگوں میں خواہ آپ کے والدین اساتذہ، ہمدرد دوست اور بہی خواہ ہی کیوں نہ شامل ہوں یقیناً آپ کے سخت سے دشمن ہیں اگر وہ آپ کو جس کسی مقصد حیات کے تعین کا مشورہ دیتے ہیں ۔کسی کے ساتھ اس سے بڑھ کر بھلا اور کیا دشمنی ہو سکتی ہے کہ ایک غریب کی آزاد چہچہی جیسی زندگی کو مقاصد کے جال اور عزائم کے دام میں الجھا کر نصب العین کے پنجرے میں مقفل کر دیا جائے ۔ہم انسان بلکہ زیادہ بہتر تو یہ ہے کہ ہم مسلمان اس دنیا میں فکر فردا سے آزاد زندگی بسر کرنے کے لیے پیدا ہوئے ہیں ۔اس لیے ہمارا فلسفہ حیات یہ ہونا چاہیے جو بابر کے اس مصرع میں پوشیدہ ہے بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست ۔(۹)

لطف الرحمٰن ،طنز یہ ادب اور سماجی شعور میں Super ego کے دو پہلو Conscience-1 ضمیر اور ego ideal-2 (مثالی) کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ضمیر برے کاموں سے روکتا ہے اور ego ideal اچھے اور تعمیری کاموں کی ترغیب دیتا ہے اس اعتبار سے جس فنکار کا Super ego جتنا بالیدہ و ترقی یافتہ اور مہذب و متمدن ہوگا ۔ اسی مناسبت سے اسی کے یہاں مثبت ،تعمیری اور انسانی قدروں کو اولیت حاصل ہوئی اور زبان وبیان پر قدرت کی صلاحیت نمایاں ہوگی ۔خواہ وہ ادب کا سنجیدہ اسلوب ہو کہ طنز یہ ومزاحیہ ۔ (۱۰)

اسی اصول کے مطابق ڈاکٹر سلیم اختر کی طنز ومزاح کا معیار انتہائی شائستہ اور متین ہے وہ تلذذ اور چھچھورے

پن سے دامن بچاتے ہوئے افراد معاشرہ کے منفی رویوں پر گہری چوٹ کر جاتے ہیں، جس کی چبھن کا احساس ،انہیں اصلاح پر مجبور کر دیتا ہے۔

ڈاکٹر سلیم اختر بہ اعتبار پیشہ ایک استاد ہیں اور موجودہ مادیت پرست دور میں استاد کی نیت اور اصلیت کے مخفی پہلوؤں سے خوب خوب واقف ہیں، کلام نرم و نازک میں شامل مضمون ''راہنمائے اساتذہ''، اساتذہ کی انہیں خود غرضانہ اور مادیت پرستانہ رویوں کا غماز ہے۔ یہ اقتباس ملاحظہ کریں:

> نظیر اکبر آبادی مشہور شاعر ہیں لیکن بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ وہ شاعری میں استاد فن ہونے کے ساتھ ساتھ پیشہ کے اعتبار سے بھی استاد ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے بارے میں یوں لکھا:
>
> وہ جو غریب غرباء کے لڑکے پڑھاتے ہیں
> ان کی تو عمر بھر نہیں جاتی ہے مفلسی
>
> لہٰذا اساتذہ کرام اگر آپ کو ساری عمر نظیر اکبر آبادی نہیں بنے رہنا تو علم کی دولت کو کتاب کی تجوری میں بند رہنے دو اور اس تجوری کو یوں بند رکھو کہ علم کی دولت کو تازہ ہوا نہ لگے اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی پلے باندھ لو کہ اصل چیز علم کی دولت نہیں بلکہ دولت منفی علم ہے۔ آج استاد علم سے نہیں بلکہ اپنے گریڈ سے عزت پاتا ہے آج اس کی لائبریری نہیں بلکہ کوٹھی کی اہمیت سمجھی جاتی ہے۔ آج کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ کون سی نادر کتاب خریدی ہے بلکہ یہ پوچھتے ہیں کہ کار ہے؟ اگر ہے تو کس ماڈل کی؟ کیوں کہ یہ سب کچھ اچھی لائبریری سمیت اساتذہ کی اکثریت کو میسر نہیں اور ان کے بغیر عزت بھی نہیں۔(۱۱)

استاد کے ملکی سیاست کا آلہ کار رہنے کی طرف ان الفاظ میں طنز کرتے ہیں:

> یہ سب دوکان پر بکاؤ گڈوں اور ڈیکوریشن پیسز کی طرح بے ضرر ہوتے ہیں ان سب کے گلوں میں قیمت کا ایک ٹیگ نظر آئے گا چنانچہ ان سب کو تبادلوں، ترقیوں، سرکاری کوارٹروں وغیرہ سے خریدا جا سکتا ہے۔ جو ان کے مقابلے میں ذرا زیادہ سخت اور بااصول نظر آئیں انہیں مقابلے کے امتحانات پاس کروا کر اسلام آباد کے ائیر کنڈیشنڈ پنجروں میں بند کیا جا سکتا ہے۔(۱۲)

''جدید نصاب تعلیم'' کے عنوان سے شامل ایک مضمون میں اردو، سیاسیات، معاشیات، نفسیات، خانہ داری میڈیکل جیسے تمام مضامین کو خارج از نصاب قرار دینے کی سفارش کی ہے اور ہر ایک کے لیے ظریفانہ توجیہات بھی پیش کی ہیں۔ نفسیات کے بارے میں ان کی رائے ملاحظہ کریں:

> توبہ! توبہ! اتنا گندہ اور ناپاک مضمون !!! یقیناً ہمیں گمراہ کرنے کی بین الاقوامی سازش کے تحت یہودی دانش وروں نے اسے ایجاد کیا تا کہ اس کے ذریعہ سے گھر گھر گندگی پھیلے اور لوگ

پٹخارے لے لے کر عورت، جنس اور جذبات کی باتیں کریں۔ یہ درست ہے کہ ہمیں چار شادیوں کی اجازت ہے لیکن مہنگائی کے زمانے میں کوئی ظالم جاگیردار ہی چار شادیاں کر سکتا ہے یا وہ شخص جس کا خرچ اہل محلہ نے اٹھانا ہوتا ہے اس لیے غیر شادی شدہ افراد اور سنگل وائف سے بے زار شرفاء کا انحصار صرف نفسیات کے حوالے سے جنس سے لذت اندوز ہونے تک رہ جاتا ہے۔(۱۳)

''چھٹا بادشاہ'' کے عنوان سے مضمون میں کلرک بادشاہ کو مورد طعن و تشنیع بنایا ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر سلیم اختر بھی اس بے نیاز طبقے کے ہاتھوں بہت خوار ہوئے ہوں گے جنہیں انہوں نے بے تاج بادشاہ قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

کلرک ۔۔۔ زبان پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا۔آپ نے ایسے سربراہان مملکت کے نام سنے ہوں گے جنہیں بے تاج بادشاہ کہا جاتا ہے۔سو ہمارے کلرک بھی بے تاج بادشاہ ہیں۔یہ دوسری بات ہے کہ وہ آٹھویں، دسویں، بارھویں گریڈ میں ہوں مگر شہنشاہی تیوروں میں کبھی فرق نہ آنے پائے گا انہیں سیٹ پر بیٹھا دیکھیں (یہ بھی حسن اتفاق کی بات ہے) تو یوں محسوس ہوتا جیسے تخت طاؤس پر براجمان ہوں۔(۱۴)

اس مضمون میں ایک عام آدمی کی جو درگت کسی دفتر میں بیٹھے کلرک کے ہاتھ بنتی ہے، جس طرح اس کو ذلیل وخوار کیا جاتا ہے اور اس کے جائز کام کے لیے بھی اسے رشوت دہی پر مجبور کیا جاتا ہے، اس کی خوبصورت عکاسی ملتی ہے۔

احمد شاہ پطرس بخاری نے **مضامین پطرس** میں ایک مضمون ''لاہور کا جغرافیہ'' لکھا تھا جس میں خوب صورت اسلوب نگارش کے ذریعے لاہور کے گردونواح کی معروف عمارات، دریائے راوی اور قابل دید مقامات کا دل آویز اسلوب میں ذکر کیا تھا۔ لاہور کے اندرونی حالات، آب و ہوا اور پیداوار کی کہانی بھی مزاحیہ انداز میں قلم بند کی تھی۔ کلام نرم و نازک، میں ڈاکٹر سلیم اختر نے بھی ''لاہور گائیڈ'' کے نام سے لاہور کا محل وقوع، لاہور وینس جونیئر، غیر تاریخی عمارات، نا قابل دید مقامات، سوغات، لاہور اور حملہ آور، لاہوریوں کے من بھاتے شغل، جیسے ذیلی عنوانات کے تحت لاہور کا وہ اچھوتا روپ دکھا دیا ہے جو ہمیں تاریخ کی کسی کتاب نہیں ملے گا۔مضمون کے ایک ذیلی عنوان ''لاہور وینس جونیئر'' میں لکھتے ہیں:

یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ وینس میں سڑکوں کی جگہ نہریں ہیں اور رکشوں، ٹیکسیوں اور اومنی بسوں کی جگہ کشتیاں۔بس ہمارے ٹاؤن پلانر نے بھی یہی سوچا کہ آخر ایسا عجوبہ روزگار شہر اٹلی میں ہی کیوں رہے ہم اپنے ایشیا میں بھی ایک وینس کیوں نہ تعمیر کریں۔ چنانچہ لاہور کا نقشہ کچھ یوں بنایا گیا کہ گلیاں، بازار اور شاہراہیں تو نشیب میں ہوں اور سب مکانات فراز میں لیکن جب شہر بن گیا تو یہ یاد آیا کہ سمندر تو یہاں سے آٹھ سو میل دور ہے کوچہ و بازار کو نہروں میں

تبدیل کرنے کے لیے وافر پانی کہاں سے میسر ہوا۔اس مشکل کا حل رحمت خداوندتعالیٰ پر چھوڑ دیا گیا جس کے نتیجے میں مون سون میں رحمت خداوندی جب باران رحمت کی صورت میں جوش میں آتی ہے تو لاہور میں وینس جونیئر بن جاتا ہے ۔بھینی گندگی، کیچڑ، پانی میں گرنا، کپڑوں اور جوتوں کا سیتاناس ہونا اور اس قسم کی بے آرامیوں کی شکایت کو ہم تو کفران نعمت سمجھتے ہیں ہم تو جانیں سیدھی بات ۔رہنا وینس میں اور ڈرنا پانی کی نہروں سے؟(۱۵)

کلام نرم ونازک کے سارے مضامین شگفتہ، رواں اور چلبلے اسلوب کی بنا پر انفرادی شناخت کے حامل ہیں ان میں طنز نگاری کی بلند تخلیقی سطح بھی ہے، ہمارے تلخ سماجی رویوں پر چوٹ بھی اور سماجی زوال کی تصویر کشی بھی ۔ان مضامین میں ڈاکٹر سلیم اختر کا خلوص، ہمدری، سچائی اور بے ساختگی نمایاں ہے جو قاری کو تبسم زیر لب کی کیفیت میں مبتلا کرنے کے ساتھ ساتھ سنجیدہ غور وفکر بھی آمادہ بھی کرتا ہے۔یہی طنز ومزاح کا مقصد بھی ہے اور اس کی معراج بھی ۔عمران نقوی کو دیے گئے انٹرویو میں ڈاکٹر سلیم اختر ان مضامین پر یوں تبصرہ کناں ہیں:

مگر میں نے اس ضمن میں عام ڈگر سے ہٹ کر یہ انداز پیدا کیا ہے کہ منفی سے مثبت کا درس دیا ۔۔۔دیکھیے! سب لوگ کہتے ہیں برائی سے بچو اور اچھے اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرو، مگر میں نے یہ کہا: ہو مجرم چھلو پھلو لو۔اس مضمون میں میں نے جرائم کی زندگی کے وہ تمام فوائد گنوائے ہیں جس کا ہمارے اردگرد مظاہرہ ہو سکتا ہے اور جو ہمارے معاشرے میں عام ہیں ۔ حرف آخر میں لکھا ہے کہ جرم کے فوائد ہیں مگر ایک دن بالآخر قانون کی گرفت میں بھی آ ہی جاؤ گے ۔الغرض تقریباً تمام مضامین برائی، جرم، بداطواری، اور غیر سماجی اعمال کو یوں سراہا کہ سمجھدار قاری پر ان کے نقصانات واضح ہو جاتے ہیں وہ تعریف کے اسلوب میں برائی کو اسلوب کے محدب شیشہ میں مبالغہ آمیز انداز سے یوں دیکھا ہے کہ اس پر خامیاں، کجیاں اور منافقتیں واضح ہو جاتی ہے۔ یوں دیکھیں تو میری کتاب معاصر معاشرہ کے لیے Distorting Mirror میں تبدیل ہو جاتی ہے ۔(۱۶)

حوالے:

(۱) عابد علی عابد، سید، **اسلوب**، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۱ء، ص ۱۵۲۔۱۵۳۔

(۲) طاہر تونسوی، ڈاکٹر، **طنز و مزاح (تاریخ۔تنقید۔انتخاب)** (ترتیب و انتخاب)، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز (بار اول)، ۱۹۸۵ء، ص ۱۵۔۱۶۔

(۳) وحید قریشی، ڈاکٹر، **اوراق** (سالنامہ) غالب نمبر، لاہور: اپریل ۱۹۶۹ء۔

(۴) مشمولہ **اوراق** (ماہنامہ)، لاہور: نومبر، دسمبر، ۱۹۹۳ء۔

(۵) روزنامہ **نوائے وقت**، راولپنڈی، ۱۸ اکتوبر ۲۰۰۴ء۔

(۶) روزنامہ **تعمیر**، راولپنڈی، ۲۰ دسمبر ۱۹۵۴ء۔

(۷) فکر تونسوی، دیباچہ **کلامِ نرم و نازک**، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء، ص ۱۰، ۱۱۔

(۸) ضمیر جعفری، سید، دیباچہ **کلامِ نرم و نازک**، ایضاً، ص ۱۵ تا ۱۷۔

(۹) سلیم اختر، ڈاکٹر، ''زندگی برباد کرنے کا نسخہ'' مشمولہ **کلامِ نرم و نازک**، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء، ص ۱۹، ۲۰۔

(۱۰) لطف الرحمٰن، ''طنزیہ ادب اور سماجی شعور'' مشمولہ **اوراق** (ماہنامہ) نومبر، دسمبر ۱۹۹۳ء۔

(۱۱) ''راہنمائے اساتذہ'' مشمولہ **کلامِ نرم و نازک**، ص ۸۹۔

(۱۲) ایضاً، ص ۹۴۔

(۱۳) ''جدید نصابِ تعلیم'' مشمولہ **کلامِ نرم و نازک**، ص ۲۸۶، ۲۸۷۔

(۱۴) ''چھٹا بادشاہ'' مشمولہ **کلامِ نرم و نازک**، ص ۲۹۶۔

(۱۵) ''لاہور گائیڈ'' مشمولہ **کلامِ نرم و نازک**، ص ۱۸۰۔

(۱۶) روزنامہ **نوائے وقت**، راولپنڈی، ۱۸ ستمبر ۲۰۰۴ء۔